جملہ حقوق غیر محفوظ

نام کتاب	:	ہم اپنے محلّہ میں کیسے رہیں؟
نام مصنف	:	**مولانا غیاث احمد رشادی**
صفحات	:	۴۰
تعداد اشاعت	:	ایک ہزار
تاریخ اشاعت	:	ستمبر ۲۰۰۱ء
قیمت	:	دس روپے Rs.10/-
ناشر	:	مکتبہ سبیل الفلاح، حیدرآباد
کمپیوٹر کمپوزنگ	:	**محمد مجاہد خان**
بمعرفت	:	رشادی کمپیوٹر سنٹر نزد یونک اسکول، واحد نگر، ملک پیٹ، حیدرآباد
سرورق	:	رئیس الخطاط سلام خوشنویس

ملنے کے پتے

(۱) مکتبہ سبیل الفلاح 16-2-138/2 نزد یونک اسکول، واحد نگر کالونی، ملک پیٹ، حیدرآباد

(۲) ہندوستان پیپر ایمپوریم، مچھلی کمان، حیدرآباد۔

(۳) حسامی بک ڈپو، مچھلی کمان حیدرآباد۔

(۴) الاوراق پبلشرز، کرما گوڑہ، حیدرآباد۔

(۵) کلاسیکل آٹوموٹیو 324 C.M.H.Road، اندرانگر، بنگلور 38۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پہلی بات

لغت میں ''محلّہ'' شہر کے ایک حصہ کو کہتے ہیں، محلّہ کے افراد جس قدر بااخلاق، بلند کردار، تعلیم یافتہ اور سنجیدہ مزاج ہوتے ہیں اسی قدر اس محلّہ کا مقام ومرتبہ ہوتا ہے، محلّہ کے افراد جس قدر بداخلاق، پست کردار، جاہل اور لڑاکو ہوتے ہیں اسی قدر سماج میں محلّہ کی حیثیت ہوتی ہے۔

اسلام چونکہ سلامتی اور امن کی تعلیم دینے والا مذہب ہے، یہ صرف مسجد کے ماحول ہی میں مسلمان بنے رہنے کی تعلیم نہیں دیتا بلکہ اسلام کی تعلیم وسیع وعریض ہے اسلام کا تقاضہ یہ ہے کہ مسلمان مسجد میں بھی مسلمان رہیں اور بازاروں میں بھی، راستں میں بھی مسلمان رہیں اور گلی کوچوں میں بھی، محلّہ کی ہوٹلوں میں بیٹھتے ہوئے بھی مسلمان رہیں اور آپس کی میل ملاقات کے وقت بھی، اپنے اہل وعیال کی نگاہ میں بھی مسلمان رہیں اور پڑوسیوں کی نگاہ میں بھی۔

مسلمان ہونے کی وجہ سے اگر ہماری نوجوان نسل اور کمسن اولاد کو ہم نے نماز اور روزہ کا طریقہ بتایا، قرآن مجید پڑھنا سکھایا، اور مزید کچھ دینی معلومات بھی بتادیں اور ان ہی باتوں پر ہم نے اکتفاء کرلیا تو یہ ہماری کم ظرفی اور نادانی ہوگی، مومن ومسلمان کے وسیع النظر اور کامل الایمان ہونے کی علامت یہ ہوگی کہ وہ اپنی اولاد اور اپنے ماتحتوں کو نماز، روزہ وغیرہ کی تعلیمات کے ساتھ یہ بھی بتائیں کہ وہ اپنے پڑوسی کے ساتھ کیسے رہیں، وہ کن صفات کے حامل دوستوں سے دوستی کریں، وہ اپنے گھر آنے

والوں سے کس طرح ملاقات کریں، وہ راستہ چلتے ہوئے کن حقوق کا لحاظ رکھیں، وہ بڑوں سے کس طرح ملاقات کریں وہ چھوٹوں پر کیسی نگاہ رکھیں وہ کس طرح اپنے محلے میں دن رات کے اوقات گزاریں۔

اگر محلّہ کے باغیرت افراد یہ چاہیں کہ ان کا محلّہ ممتاز مقام حاصل کرلے تو ان کا یہ ذمہ ہوگا کہ وہ محلّہ کے سارے افراد میں ان کی ذمہ داریوں کا احساس پیدا کریں اور ان کے مردہ ضمیر کو زندہ کرنے کی بھرپور کوشش کریں۔

اس خفتہ موضوع کو بیان کرنے کی وجہ یہ ہوئی کہ چونکہ زمانہ کی رفتار کے ساتھ ساتھ بداخلاق اور بدکرداری کی رفتار بھی بڑھتی جارہی ہے، راستہ چلتے ہوئے، بازاروں سے گزرتے ہوئے، دوکانوں پر خرید وفروخت کرتے ہوئے، بچوں کا اسکول میں داخل ہوتے اور نکلتے ہوئے جو ناپسند شکلیں، تلخ مناظر، بھیانک نقشے، گلیوں اور نکڑوں پر حیص بیص، شور وغوغا، لڑائی جھگڑے، طعن وتشنیع، لعنت و ملامت کے حیا سوز طریقے سامنے آتے ہیں تو ذہن میں یہی خیال آتا ہے کہ کاش ہماری نوجوان نسل اسلام کی تعلیمات اور رسول اللہ ﷺ کے مبارک اعمال وارشادات سے واقف ہوتی۔

اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرتے ہوئے میں نے اس مضمون کو شروع کیا ہے کہ اے اللہ اس کتاب کے پڑھنے کی ہر اس شخص کو توفیق عطا فرما جو محلّہ کے چین وسکون کو اپنی بداخلاقی کے ذریعہ اکارت کررہا ہو، جو اپنی بدترین اور ناشائستہ حرکتوں کے ذریعہ مسلم محلوں کی توہین کررہا ہو، جو حیا کو بالائے طاق رکھتے ہوئے فحش کاموں کو برسربازار کرنے کا عادی بن چکا ہو۔

انشاء اللہ اگلے صفحات میں ہم بتائیں گے کہ ایک مومن ومسلمان ہونے کی حیثیت سے ہم سب کو اپنے محلّہ والوں کے ساتھ کس طرح زندگی گزارنا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کی توفیق بخشے۔ **وما فیقی الا باللہ۔**

ہم اپنے گھر میں کیسے رہیں؟

محلّہ کے ماحول کا پرسکون ہونا گھر کے ماحول کے درست ہونے پر موقوف ہے، یہ عین ممکن ہے کہ میرے اس دعویٰ پر کسی کو ہلکا یا شدید اعتراض یا اشکال ہو لیکن یہ حقیقت ہے! اس لئے کہ کسی نہ کسی گھر کا فرد ہی تو بازار، گلی، دوکان، آفس اور سڑک پر رہتا ہے، جہاں اس کے اخلاق یا کردار کا اظہار ہوتا ہے، ظاہر ہے کہ اگر گھر کی چار دیواری میں اس نے اچھا سبق سیکھا ہوگا تو ان سارے مقامات پر اسی سبق کو دہرائے گا، اور اگر اس چار دیواری میں اس کی تربیت نہیں ہوئی ہوگی تو ظاہر ہے کہ وہ اپنی بداخلاقیوں کا بازار کے مختلف حصوں میں مظاہرہ کرے گا۔

اسی لئے محلّہ کے ماحول کو اسلامی تہذیب سے آراستہ کرنے کیلئے سب سے پہلے ہمیں اپنے گھر میں رہنے کا اسلامی طریقہ سیکھنا ہوگا، اگر ہم نے اور اپنے ماتحت رہنے والی اولاد نے اپنے گھر کے اندر انس ومحبت، غیرت وحیا داری، عفت وعصمت، خوش ذوقی و خوش دلی، متانت وشائستگی جیسے عمدہ اخلاق وخصائل کے ساتھ رہنے کا سبق سیکھ لیا تو اس کا اثر محلّہ پر پڑے گا اور محلّہ جنت کے سکون کی ایک ادنیٰ جھلک پیش کرنے لگے گا اور اس شہر میں اس محلّہ کی عظمت اور قیمت بڑھ جائے گی۔

اور اگر خدانخواستہ ہم میں اور ہماری اولاد میں سخت دلی وعداوت، تنگ ظرفی و شقاوت، تعصب وحسد، کینہ وبغض، بے حیائی وعیش کوشی، حرص وتصنع، سب وشتم، لعنت و ملامت، شدت پسندی ودرشت مزاجی، خودغرضی وخیانت، بے وفائی وکذب بیانی، مفاد پرستی وضرر رسانی کے زہریلے کانٹے موجود ہوں تو ظاہر ہے کہ جب ہم محلّہ کے کسی بھی حصہ میں جائیں گے تو یہی رزیل اوصاف ظاہر ہوں گے، اور نتیجہ میں محلّہ کا سکون اُڑ جائے گا اور محلّہ کی وقعت اور قیمت گھٹ جائے گی، اور سارا وقار مجروح ہوگا۔

آدمی کے بہتر اور بلند کردار ہونے کا یہ معیار نہیں ہے کہ وہ دوستوں اور محلّہ کے افراد سے خندہ پیشانی سے مل لے اور دن بھر کی ساری بھڑاس اپنے گھر والوں سے نکال لے، بلکہ آدمی کے بہترین ہونے کی علامت یہ ہے کہ وہ اپنے اہل کے ساتھ بہتر انداز میں رہے، اسی لئے حضور ﷺ نے اِرشاد فرمایا کہ:

خیر کم خیر کم لاھله و انا خیر کم لا ھلی ۔〈ترمذی〉۔

تم میں بہترین شخص وہ ہے جو تم میں اپنے اہل وعیال کے حق میں سب سے بہتر ہو اور میں اپنے اہل وعیال کے حق میں تم سب سے بہتر ہوں۔

گھر کی چار دیواری میں جو بہتر انداز میں رہنے کی عادت بنالے گا وہ یقیناً ہر جگہ بہتر رہنے کا عادی بن جائے گا، آدمی کا معاملہ سب سے پہلے اپنے گھر والوں کے ساتھ پیش آتا ہے اس لئے اس کے اچھے یا بُرے ہونے کا اظہار بھی سب سے پہلے گھر والوں پر ہی ہوتا ہے، اچھے آدمی کی پہچان یہی ہے کہ اس کا برتاؤ اور سلوک اہل خانہ، عزیز واقارب اور اپنے ماتحتوں کے ساتھ اچھا ہو، اگر وہ ان سب کی نگاہوں میں محسن، نرم مزاج، راست باز، منصف ہے تو یقیناً وہ بہترین انسان ہے اور اگر ان کے نزدیک مفسد، مفاد پرست، درشت مزاج، جھوٹا، مکار اور ظالم ہے تو وہ واقعی بدترین ہے۔

حضرت عائشہ ؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنی بیویوں کے درمیان باری اور دیگر حقوق میں پورے عدل وانصاف سے کام لیتے اور دعا فرماتے، خدایا میری یہ منصفانہ تقسیم تو وہ ہے جو میرے بس میں ہے مگر جس چیز پر تجھ ہی کو اختیار حاصل ہے جو میرے اختیار سے باہر کی چیز ہے یعنی دل اس لئے اگر کسی بیوی سے مجھے خصوصی تعلق خاطر ہے تو اس پر تیری طرف سے میں قابل ملامت نہ ٹھہروں۔ (ابوداود، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ)

حضرت عائشہ ؓ سے اسود بن یزید ؒ نے پوچھا کہ نبی ﷺ اپنے گھر میں ہوتے تو کیا کرتے تھے، انھوں نے فرمایا آپ اپنے گھر والوں کے کاموں میں لگے رہتے تھے اور جب نماز کا وقت آجاتا تو نماز کیلئے تشریف لے جاتے۔ (بخاری)۔

جو لوگ اپنے محلّہ کی اخلاقی گراوٹ پر رونے کے عادی ہوں وہ اپنی اس آہ وزاری

کے بجائے اپنے بچوں کی تربیت میں اپنا قیمتی وقت لگائیں۔

مالک مکان اور کرایہ دار

عموماً لوگوں کا یہ مزاج ہے کہ یہ تو سوچتے ہیں کہ دوسروں پر ان کا کیا حق ہے، مگر بہت کم لوگ ہیں جو یہ سوچیں کہ ہم پر دوسرے کا کیا حق ہے، اسی نقص اور کمزوری کی وجہ سے مالک مکان اور کرایہ دار کے درمیان ناگفتہ بہ حالات وواقعات پیش آتے رہتے ہیں، اگر موجودہ حالات پر گہری نظر رکھی جائے تو نتیجہ کے طور پر یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ جس طرح کرایہ دار ضرورت مند ہے اسی طرح مکان دار بھی ضرورت مند ہے، کرایہ دار اگر مکان کی تلاش میں ہے تو مکان دار کرایہ دار کی تلاش میں ہے، آج کل ضرورت سے زائد مکانات کی تعمیر کا لامتناہی سلسلہ چل پڑا ہے، ایسی صورت میں مکان دار بھی ضرورت مند ہوتا ہیکہ کوئی کرایہ دار مل جائے۔ جب دونوں ایک دوسرے کے طلب گار ہوں تو دونوں کو ایک دوسرے کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔ مکان دار کے دل و دماغ میں انانیت اور غرور کا کانٹے دار درخت پرورش نہ پائے اور کرایہ دار کے دل و دماغ میں بڑی نیتوں اور بے جا طریقہ سے مکان کے اشیاء کو استعمال کرنے کی عادت نہ پڑے، بلکہ دونوں ایک دوسرے کو نفع پہنچانے اور نقصان سے بچانے کی فکر میں رہیں، دونوں ایک دوسرے کو سلامتی اور آرام پہنچانے کی سوچ میں رہیں۔

مگر افسوس اور ناقابل بیاں افسوس کہ آج کل مالک مکان اور کرایہ دار کے روزمرہ کے جھگڑوں سے بہت سے محلوں کا امن وسکون اُڑ چکا ہے، لوگ روز روز کے ان جھگڑوں سے اکتاہٹ محسوس کرنے لگے ہیں، کہیں مالک مکان ظالم ہے تو کرایہ دار مظلوم اور کہیں کرایہ دار ظالم تو مالک مکان مظلوم، اور ان دونوں کے درمیان پڑوسی تماشائی ہوتے ہیں، کسی کے دل میں ان دنوں کے درمیان صلح وصفائی کی کوئی تڑپ اور فکر نہیں پائی جاتی، حالانکہ تینوں مسلمان ہیں کہ قرآن مجید اس بات کی تعلیم دیتا ہے کہ:

وان طائفتان من المؤمنین اقتتلوا فاصلحوا بینهما ۔

کہ اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو تم ان کے درمیان صلح کر دیا کرو۔

کرایہ دار اور مالک مکان کے درمیان نا اتفاقیاں، تو تو میں میں، گالی گلوچ، زبان درازیاں، محلّہ کے چھوٹے چھوٹے بچوں کے سامنے بے حیائی کے ناپاک کلمات اس طرح بکنا کہ حیا والا اپنا دل مسوس کر رہ جائے، اور باغیرت راہ گیر نگاہیں نیچی کئے پناہ مانگتے ہوئے تیزی سے گزر جائے، یہ سارے مناظر مسلم محلوں میں بکثرت ملیں گے حالانکہ اسلام وہ مقدس مذہب ہے جو رواداری، خوش اخلاقی، حیا داری اور نرم مزاجی کی تعلیم دیتا ہے۔

مالک مکان اور کرایہ دار اگر ایک ہی گھر کے دو حصوں میں رہتے ہوں تو دونوں ایک دوسرے کے پڑوسی ہیں، ایک مومن و مسلمان کو اپنے پڑوسی کے ساتھ جن حقوق کی ادائیگی کا لحاظ رکھنا ضروری ہے ان تمام حقوق کا لحاظ زیادہ بہتر انداز میں ان دو پڑوسیوں کو رکھنا چاہئے جو ایک ہی گھر میں مالک مکان اور کرایہ دار کی حیثیت سے رہتے ہوں۔

ہم بہتر پڑوسی نہیں

مومن و مسلمان اس غلط فہمی میں مبتلا نہ رہے کہ دین صرف چند مخصوص عبادات انجام دینے کا نام ہے، بلکہ دینی احکامات جہاں عقائد و عبادات سے متعلق ہیں وہیں معاشرت اور معاملات و اخلاق سے متعلق بھی ہیں، اگر ہمارا مکان کسی محلّہ میں ہو تو ہمارا تعلق صرف اپنے مکان سے نہیں بلکہ اپنے مکان کے اطراف و اکناف جتنے مکانات ہیں ان سے بھی ہمارا تعلق ہوگا، قرآن مجید اور احادیث میں بارہا پڑوسیوں سے حسن معاملہ کا حکم دیا گیا ہے کسی فرد کا اپنے پڑوسیوں سے غمخواری، ہمدردی، ملنساری اور خوش اخلاقی کا معاملہ کرنا اس محلّہ کو پرامن اور پرسکون بنانے کا اہم ذریعہ ہے، اور اس کے برخلاف کسی فرد کا اپنے پڑوسیوں سے سخت کلامی، بے دردی، تحقیر و تذلیل اور بد اخلاقی کا معاملہ کرنا اس محلّہ کے

بگاڑ اور بدنامی کا ذریعہ ہے، ہمیں اپنے محلّہ کی حالت کو بہتر بنانے کیلئے جہاں اپنے اہل خانہ اور اپنے کرایہ دار یا مالک مکان سے نیک برتاؤ اور حسن سلوک کرنا ضروری ہے وہیں اپنے پڑوسیوں کے ساتھ بھی اسی قسم کا عمدہ معاملہ کرنا ضروری ہے۔

حضور ﷺ نے ہمیں یہی بتایا ہے کہ اللہ کے نزدیک بہتر دوست وہ ہے جو اپنے دوست کیلئے اچھا ہو اور بہتر پڑوسی وہ ہے جو اپنے پڑوس کیلئے اچھا ہو۔ (ترمذی)۔

پڑوسیوں کے ساتھ کیسے رہیں

مومن ہونے کی حیثیت سے ہم پڑوسی کا حق یہ ہے کہ ہم اس کی عزت کریں وہ بیمار ہوجائے تو عیادت کریں، وہ قرض طلب کرے تو اسے قرض دیں، اگر وہ کسی جائز معاملہ میں مدد طلب کرے تو اس کی مدد کریں، اگر اسے معاشی پریشانی ہوتو اس کا تعاون حتی المقدور کریں، اگر وہ کسی مصیبت میں مبتلا ہوتو اسے تسلی دیں، اور اس سے ہمدردی کا اظہار کریں، اگر وہ کوئی نعمت پائے یا اس کو کوئی کامیابی مل جائے تو اسے مبارکباد دیں۔

مومن ہونے کی حیثیت سے ہم پر پڑوسی کا یہ بھی حق ہے کہ ہم پڑوسی کیلئے وہی پسند کریں جس کو ہم اپنے لئے پسند کرتے ہیں، حضور ﷺ نے اسی لئے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری زندگی ہے کوئی بندہ مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ اپنے پڑوسی کیلئے وہی چیز پسند نہ کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے، ہم جس طرح یہ چاہتے ہیں کہ ہمارا گھر صاف رہے اسی طرح اپنے پڑوس کے گھر کے بارے میں بھی یہ چاہیں کہ اس کا گھر بھی صاف رہے، اگر کوئی یہ کہے کہ میں اپنے گھر میں ناپاکی کو پسند کرتا ہوں اس لئے میں اپنے پڑوس کے گھر کیلئے بھی ناپاکی ہی کو پسند کروں گا یہ عقلمندی کی بات نہیں ہے، حدیث کا منشا یہ ہے کہ فطری اور طبعی طور پر ایک انسان جن چیزوں کو اپنے لئے پسند کرتا ہے وہی اپنے پڑوس کیلئے بھی پسند کرے۔

مومن ہونے کی حیثیت سے اپنی استطاعت کے بقدر اپنے پڑوس کے ہاں ہدیہ، تحفہ

بھیجنا بھی مستحب ہے، پڑوسی تو ظاہر بات ہے کہ بہت ہوتے ہیں ایسی صورت میں سب کے یہاں ہدیہ بھیجنا تو مشکل بلکہ بعض صورتوں میں ناممکن ہے، اس لئے ان گھروں کے یہاں تحفہ بھیجے جن کا گھر اس کے گھر سے زیادہ قریب ہو، حضرت عائشہ ؓ نے حضور ﷺ سے عرض کیا کہ میرے دو پڑوسی ہیں میں ان میں سے کس کے یہاں ہدیہ بھیجوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا جس کے گھر کا دروازہ تیرے گھر کے درواز سے زیادہ قریب ہو۔

پڑوسی یا پڑوسن کو چاہیئے کہ اپنے پڑوسی یا پڑوسن کے گھر سے اگر کوئی معمولی چیز ہدیہ میں آجائے تو بھیجنے والا بھیجتے ہوئے اور لینے والا لیتے ہوئے حقیر نہ سمجھے، حضور ﷺ نے مسلمان عورتوں سے خصوصاً فرماتے ہوئے اِرشاد فرمایا کہ پڑوسن کیلئے ہدیہ دینے کو حقیر نہ جانے چاہے وہ بکری کا ایک کھر ہو۔ (بخاری)

پڑوسیوں کا ایک دوسرے کو ہدیہ دینے اور لینے سے ایک دوسرے کے خلاف کینہ اور غصہ دور ہوتا ہے اور باہمی تعلقات خوشگوار ہوتے ہیں۔

مومن ہونے کی حیثیت سے ہمیں اپنے پڑوسی کی خبر گیری کرنا چاہیئے، خبر گیری کا مطلب یہ ہے کہ مومن کے دل میں جس طرح پنے اور اپنے اہل وعیال کے پیٹ بھرنے کی فکر ہوتی ہے اسی طرح میرا پڑوسی کے بارے میں بھی اس بات کا خیال ہونا چاہیئے کہ کیا میری طرح میرا پڑوسی بھی کھانا وغیرہ کھا چکا ہے یا نہیں؟ حضور ﷺ نے اِرشاد فرمایا کہ وہ مومن نہیں ہے جو خود پیٹ بھر کر کھانا کھالے اور اس کے پہلو میں اس کا ہمسایہ بھوکا رہ جائے، یہ سنگدلی کی علامت ہے کہ پڑوسی کی طرف بالکل توجہ نہ دی جائے۔

مومن ہونے کی حیثیت سے ہمارا یہ ذمہ ہے کہ ہم سے ہمارے پڑوسی کو امن اور سلامتی کا پیغام ملے، ہمارے ایمان کی علامت یہی ہے کہ ہم مفسد اور شر پسند نہیں بلکہ سلامتی اور امن کا سرچشمہ ہیں، مطلب یہ ہے کہ مومن اپنے پڑوسی کو ایذا نہیں دیتا اس پر ظلم نہیں کرتا، اس پر بہتان نہیں لگاتا، اس کی عزت وآبرو پر حملہ نہیں کرتا، حضور ﷺ نے فرمایا اللہ کی قسم وہ مومن نہیں (اس طرح تین مرتبہ فرمایا) عرض کیا گیا کون اے اللہ کے

رسول؟ آپ ﷺ نے فرمایا جس کے شر سے اس کا ہمسایہ امن میں نہ ہو۔ (بخاری)

مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہماری زبان اور ہاتھ سے ہر ایک کو سلامتی پہنچنا چاہئے، حضور ﷺ نے مسلمان کی تعریف ہی یوں فرمائی کہ مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں، خصوصاً اپنے پڑوسی سے زبان درازی کرنا اسلامی تعلیمات کے سراسر خلاف ہے، جولوگ اپنے پڑوسیوں کو اپنی زبان درازی سے ایذا پہنچاتے ہیں، وہ دور رسالت کی اس عورت کا انجام سن لیں جو نمازی روزہ دار اور صدقہ کرنے والی تھی، لیکن وہ اپنے پڑوسیوں کو اپنی زبان سے تکلیف پہنچاتی تھی، حضور ﷺ نے اس عورت کی بداخلاقی کو سن کر فرمایا کہ **ھی فی النار** وہ دوزخ میں جائے گی، اس کے برعکس اس عورت کا تذکرہ کیا گیا جو تھوڑے روزے رکھتی تھی، اور تھوڑی نماز پڑھتی تھی اور صدقہ بھی کم کیا کرتی تھی لیکن اپنے پڑوسیوں کو اپنی زبان سے ایذا نہیں دیا کرتی تھی تو آپ نے اس کے بارے میں فرمایا کہ **ھی فی الجنۃ** وہ جنت میں جائے گی۔

ایک مومن ہونے کی حیثیت سے اپنے پڑوس کے بارے میں اس قدر رعایت کرنے کا حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنے پڑوسی کو اپنی دیوار پر اپنی لکڑی گاڑنے کی اجازت دے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اِرشاد فرمایا تم میں سے کوئی شخص اپنی دیوار میں پڑوسی کو لکڑی گاڑنے سے نہ روکے، دیوار کے مالک پڑوسی کو چاہئے کہ وہ اپنے پڑوسی پر اس قسم کی ضرور یتا میں سختی اور قانونی گفتگو کے بجائے نرمی اور رعایتی انداز کی گفتگو کرے۔

ہم اپنے محلّہ میں کیسے رہیں؟

مومن کا رشتہ دوسرے مومن سے انتہائی گہرا اور مضبوط ہونا چاہئے اور اہل ایمان کو چاہئے کہ آپس میں محبت اور تعاون کرتے رہیں، ایک دوسرے کے ہمدرد اور غمخوار رہیں آپس میں نہ تنگ دل رہیں اور نہ سنگ دل، حضور ﷺ نے انفرادیت کا مزاج نہیں بلکہ اجتماعیت کا نام مرتب فرمایا اور جاہلیت کے دور میں جو ایک دوسر کے درمیان دوری اور بے پرواہی تھی اس کو

اس ایمانی رشتہ کے ذریعہ ایک دوسرے کے قریب فرما دیا اور یہ تعلیم دی۔

قال رسول اللہ ﷺ مثل المؤمنین فی توادھم و تراحمھم و تعاطفھم مثل الجسد اذا اشتکی منہ عضو تداعی لہ سائر الجسد بالسھر والحمی۔ ﴿بخاری و مسلم﴾۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مومنون کی مثال ایک دوسرے سے محبت کرنے، رحم کرنے اور ہمدردی کرنے میں ایسی ہے جیسے ایک جسم کی کیفیت ہوتی ہے کہ جب اس کا ایک عضو بیمار ہوجاتا ہے تو اس کا سارا جسم بخار اور بے خوابی میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

جس طرح جسم کے اعصاء ایک دوسرے سے مربوط ہوتے ہیں اور جسم کے ایک عضو کی تکلیف پر سارا جسم بے چینی محسوس کرتا ہے اسی طرح اہل ایمان کو چاہئے کہ کسی بھی مسلمان بھائی کے جان و مال یا آبرو کو خطرہ لاحق ہو یا کوئی نقصان پہنچے تو مسلمانوں کی جماعت کے ہر فرد کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے اس پریشان حال اور مصیبت زدہ بھائی کی مدد کریں اور اس کے غم کو دور کرنے کی حتی المقدور کوشش کریں۔

جس طرح عمات کا ایک حصہ اس کے دوسرے حصے کو مضبوط کرتا ہے اسی طرح ایک مومن دوسرے مومن کو مضبوط کرنے کی کوشش کرے۔ خصوصاً ہم جس محلّہ میں رہتے ہیں اپنے محلّہ کے افراد کے ساتھ بھائی چارگی اور غمخواری کا رویہ اختیار کریں۔

تقریباً ہر محلّہ کی موجودہ حالت پر غور کریں تو یہی نتیجہ سامنے آتا ہے کہ ہم میں سے کسی نے رسول اللہ ﷺ کے اس اِرشاد کو کبھی نہیں سنا ہے کہ:

المؤمن مراۃ المؤمن والمؤمن اخوا المؤمن یکف منہ صیعتہ و یحوطہ من ورائہ۔

مومن مومن کا آئینہ ہے اور مومن مومن کا بھائی ہے، وہ اسے ہر طرح نقصان سے باتا ہے اور اس کی عدم موجودگی میں اس کی حفاظت کرتا ہے۔ (ابوداود)

مفاد پرستی کی عمارت جب سے بلند ہوئی ہے تو اسی وقت س ہمدردی، مدد و نصرت، شفقت و رحمدلی کی عمارت مہندم ہوچکی ہے ایک ہی محلّہ میں رہنے والا مسلمان اپنے ہی

بھائی پر ظلم و جبر کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا رہا ہے۔

جس قوم کو سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح متحد اور یک جا ہو کر رہنے کی تعلیم دی گئی تھی اس قوم کا حال یہ ہے کہ ہر ایک دوسرے کے خلاف مورچے قائم کئے ہوئے ہے، ہر ایک دوسرے کی ٹانگ کھینچنے میں مصروف ہے ہر ایک دوسرے کے عیوب کو برسر عام بیان کرنے پر تلا ہوا ہے، ہر ایک دوسرے کو اس کے مسند وعہدہ سے نکال کر خود جانشین و عہدیدار بننے کی حرص میں ہے، اور اپنی ان گھناونی سازشوں میں اس قدر سرگرم ہے کہ اس کا یہ احساس بھی مردہ ہو چکا ہے کہ ان کرتوتوں کی وجہ سے مسلمانوں کی وقعت مجروح ہو رہی ہے، اور ان کی عزت پر حرف آ رہا ہے، نیز غیروں کا غلبہ بڑھ رہا ہے، اور اپنی قوم مائل بہ پستی ہو رہی ہے۔

اللھم احفظنا من سیئی الاخلاق۔

جب کسی محلّہ میں ایسے انسان نما خونخوار درندے ابل پڑیں گے تو ظاہر ہے کہ محلّہ کا چین وسکون ختم ہو جائے گا اور فتنہ وفساد کی آگ بھڑک اُٹھے گی، اور ہمارا امتیاز انہی فاسد و باطل جذبات کی رو میں بہہ جائے گا۔

ہم ان حقوق کو ادا کریں

جب کسی کا کسی سے کوئی رشتہ ہوتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس پر کچھ حقوق ایسے نافذ ہوتے ہیں، جن کی ادائیگی کا وہ پابند ہو جاتا ہے، ایک مسلمان اور دوسرے مسلمان کے درمیان ایمانی رشتہ ہونے کی وجہ سے وہ قرآنی نقطۂ نظر سے بھائی بن جاتا ہے ایسی صورت میں اس دینی بھائی کے حقوق کا ادا کرنا ضروری ہو جاتا ہے، حضور ﷺ نے عملاً ان حقوق کی نشاندہی فرمائی اور یوں تعلیم دی کہ :

حق المسلم علی المسلم خمس رد السلام و عیادة المری واتباع الجنائز واجابة الدعوة وتسمیت العاطس۔ 〈بخاری〉۔

مسلمان کے مسلمان پر پانچ حقوق ہیں، السلام علیکم کا جواب دینا، مریض کی عیادت کرنا، جنازے کے ساتھ جانا، دعوت قبول کرنا، چھینک لینے والے کو دعا دینا۔

ان پانچ حقوق میں سے دو پر تو عموماً ایک حد تک عمل ہوتا ہے کہ ہم ایک دوسرے کو سلام کر لیتے ہیں، (لیکن اس میں بھی کوتاہی یہ ہے کہ ہم صرف ان ہی لوگوں کو سلام کرتے ہیں جن سے ہمارا کوئی مفاد ہو یا جن سے ہمارا گہرا تعلق ہو حالانکہ جس کے بارے میں بھی علم ہو کہ وہ مسلمان ہے تو واجب ہے کہ اس کو سلام کیا جائے) اور دوسرا حق دعوت قبول کرنا ہے جس پر ایک حد نہیں بلکہ بعض لوگ حد سے زیادہ قبول کر لیتے ہیں جب سے دعوتوں میں لذیذ و مرغن غذاوں کا عام رواج بلکہ فیشن چل پڑا ہے جائز حدود کو پار کرتے ہوئے بلا دعوت شرکت کرنے کی عادت بھی چل پڑی ہے جس سے میزبان کو ذہنی اور مالی پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

لیکن ان دو حقوق کے علاوہ باقی تین حقوق میں عام طور پر غفلت برتی جاتی ہے جن میں سے ایک یہ ہے کہ ہمیں یہ معلوم ہے کہ ہمارے محلّہ کا فلاں آدمی بیمار ہے مگر ہم اس کی عیادت کرنے کی ہمت نہیں کرتے، آج کل ہر ایک کی نگاہ میں جس قدر اپنا وقت قیمتی بن چکا ہے اسی قدر دوسروں کی جان سستی اور بے قیمت بن گئی ہے، اسی لئے ہم بیماروں کی عیادت کو یا تو ہم پر عائد حق ہی نہیں سمجھتے بھی ہیں تو اس کیلئے موقع نہیں نکالتے، بعض لوگ صرف مالداروں بڑے بڑے عہدیداروں کی عیادت کو ضروری سمجھتے ہیں اور غریبوں کی عیادت سے بے اعتنائی برتی جاتی ہے، حالانکہ حضور ﷺ نے اِرشاد فرمایا:

قال رسول الله ﷺ من عاد مریضا لم یل یخوض الرحمة حتی یجلس فادا جلس اعتمس فیها ۔

جو شخص کسی بیمار کی عیادت کو چل پڑتا ہے اللہ کی رحمت اسے گھیر لیتی ہے جب تک کہ وہ اس کے پاس بیٹھ نہ جائے جب وہ اس کے پاس بیٹھتا ہے تو اللہ کی رحمت میں غوطے

لگا تا ہے۔

اور دوسرا حق جس میں عموماً کاہلی اور سستی کی جاتی ہے جنازے کے ساتھ جانے میں ہے، اس حق کو ادا کرنے میں جو چیز رکاوٹ بنتی ہے وہ یہ ہے کہ آج کل میت کی تدفین وغیرہ میں غیر ضروری وجوہات کو بنیاد بنا کر تاخیر کرتے ہیں یا نماز جنازہ، تکفی و تدفین کے ایسے نرالے طریقے اختیار کرتے ہیں کہ کامل العقیدہ اور صحیح العقیدہ انسان ان کو دیکھ نہیں سکتا۔ضرورت اس بات کی ہے کہ جن کے ہاں کوئی انتقال کر جائے وہ صحیح العقیدہ عالم کے مشورہ اور نگرانی میں تجہیز و تکفین کے سارے مراحل انجام دے تاکہ ہر مسلمان کو شرکت کرنے کا موقع ملے۔

تیسرا حق جس کو ضروری سمجھا نہیں جاتا ''چھینک کا جواب دینا'' ہے حالانکہ حضور ﷺ نے ہمیں اس بات کی تعلیم دی ہے کہ چھینک لینے والے کے جواب میں یرحمک اللہ کہیں، مسلمانوں کی اکثریت اس دعائیہ جملہ سے واقف ہی نہیں ہے، اور چھینکنے والے کے اندر بھی ایک مرض یہ ہوتا ہے کہ وہ چھینک لینے کے بعد الحمد للہ نہیں کہتا حالانکہ اس کو اس طرح کہنا چاہیے۔

بظاہر یہ حقوق معمولی نظر آتے ہیں لیکن یہ ایسے حقوق ہیں کہ اگر محلّہ کے سارے مسلمان ان حقوق کو ادا کرنے کے پابند ہوجائیں تو یاد رکھئے کہ سب سے پہلا نتیجہ یہ سامنے آئے گا کہ اتفاق و اتحاد کی عمارت قائم ہوجائے گی جس کے سایہ میں اہل محلّہ آرام و راحت چین و سکون کے ساتھ رہ سکیں گے، اور یہ فطری چیز ہے کہ اگر محلّہ کا ہر فرد دوسرے کو سلام کرے گا، اس کے بیمار ہوجانے پر عیادت کرے گا، اس کے گھر میں کسی کے انتقال ہوجانے پر اپنی ہمدردیاں نچھاور کرے گا اور جنازے کے ساتھ تدفین میں میں شریک رہے گا اس کے گھر کوئی تقریب ہو اور وہ دعوت دے تو اپنی شرکت سے اس کی خوشی کو بڑھائے کرے گا، اس کے چھینک لینے پر اس کیلئے رحمت کی دعا دے گا تو ظاہر ہے کہ امن و سلامتی کا خوشگوار ماحول پیدا ہوگا۔

مصیبت زدوں سے تعزیت کیجئے

اگر محلّہ کا ہر فرد پریشان حال اور مصیبت زدہ افراد کے غم کو ہلکا کرنے کیلئے اس سے شفقت اور ہمدردی اختیار کرتا ہے اوراس کے دل کو راحت اور سکون پہنچانے کیلئے صبر کی تلقین کرتا ہے اور تسلی دیتا تو ظاہر ہے کہ ایسے محلّہ میں محبت و الفت کا خوشگاور ماحول برقرار رہے گا۔

قال رسول الله ﷺ من عزی مصابا فله مثل اجره (ترمذی عن عبدالله بن مسعود

حضور ﷺ نے اِرشاد فرمایا کہ جو شخص کسی مصیبت زدہ سے تعزیت کرتا ہے اس کیلئے اجر ہے جیسے مصیبت زدہ کیلئے اجر ہے۔

مصیبت زدہ جب اپنی مصیبت پر دھاڑیں مار کر رونے یا نوحہ کرنے کے بجائے صبر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس صبر پر اس کو اجر عطا فرماتے ہیں، اور جس طرح مصیبت زدہ آدمی اللہ کے اجر کا مستحق ہے اسی طرح وہ شخص بھی اجر پاتا ہے، جو مصیبت زدہ کے غم کو ہلکا کرنے کیلئے اس کے سامنے تعزیتی کلمات کہہ کر راحت اور سکون پہنچاتا ہے۔

ہم محلّہ والوں کی ایک ذمہ داری یہ ہے کہ جس گھر میں کسی کا انتقال ہوگیا ہے اس کے ہاں ایک دن رات کا کھانا تیار کر کے اس کے گھر بھیج دیں، یہ ایک اخلاقی ذمہ داری ہے جس پر اہل محلّہ، پڑوسیوں اور رشتہ داروں کو توجہ دینا چاہئے۔

مخلوق کی خدمت کیجئے

جب ہم کسی محلّہ میں رہتے ہوں تو وہاں ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جو کسی کے ظلم کا شکار ہوجاتے ہیں یا کسی پریشانی اور مصیبت میں متلا ہوجاتے ہیں یا کسی معاملہ میں الجھے ہوئے ہوتے ہیں، ایسی صورتوں میں محلّہ والوں پر ایک اخلاقی ذمہ داری یہ ہوتی ہے کہ اپنی استطاعت کے مطابق ان لوگوں کے مسائل کو حل کرنے میں دلچسپی لیں، ان کی پریشانیوں کو دور کرنے کی کوشش کریں، مظلوموں کو ظالموں کے شکنجہ سے چھڑائیں، تاکہ

محلّہ کا ماحول خوشگوار اور پرامن بن جائے اور محلّہ کا ہر فرد اپنی انفرادی زندگی مطمئن انداز میں گزار سکے۔

ہم یہ کہہ کر اپنی اس اخلاقی ذمہ داری سے سبکدوش نہیں ہو سکتے کہ محلّہ کے افراد سے ہمارا کوئی تعلق نہیں ہے، اس لئے کہ ایک مومن ہونے کی حیثیت سے ہمارا تعلق محلّہ کے ہر فرد سے ہے، حضور ﷺ نے اِرشاد فرمایا:

الخلق عيال الله فاحب الخلق الى الله من احسن الى عياله ﴿مشكوة﴾

ساری مخلوق اللہ کا کنبہ ہے اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ پسند وہ ہے جو اس کی مخلوق سے نیک سلوک کرتا رہے۔

وہ لوگ جو اللہ کی رضا وخوشنودی چاہتے ہیں اور یہ شوق اپنے دل میں رکھتے ہیں کہ آخرت میں اللہ کی طرف سے جنت انعام کے طور پر حاصل کریں ان کو چاہئے کہ وہ حضور ﷺ کی اس ہدایت پر عمل کریں۔

من قصى لا حد من امتى يريد ان يسره بها فقد سرنى ومن سرنى فقد سرالله ومن سرالله ادخله الله الجنة ﴿مشكوة﴾

حضور ﷺ نے اِرشاد فرمایا جو شخص میرے کسی اُمتی کو خوش کرنے کی نیت سے اس کی کوئی حاجت پوری کرتا ہے وہ دراصل مجھے خوش کرتا ہے، اور جو مجھے خوش کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کو راضی کرتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اُسے جنت میں داخل فرمادے گا۔

خدمت خلق کے سلسلہ میں حضور ﷺ کا معمول بے نظیر تھا آپ ﷺ کے بارے میں عبداللہ بن ابی اوفی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کو بہت یاد کرتے تھے، بیہودہ باتوں میں دلچسپی نہ لیتے تھے، نماز طویل پڑھتے تھے، اور خطبہ مختصر دیتے تھے، اور آپ ﷺ اس بات کو عار نہیں سمجھتے تھے کہ غریب بیوہ اور مسکین کے ساتھ چل کر جائیں اور اس کی حاجت پوری کردیں۔ (نسائی)۔

بے سہارا اور غریب عورتوں کی معاشی اور معاشرتی ضرورتوں کو پورا کرنے کیلئے دوڑ دھوپ کرنا اور مصیبت زدہ مسکینوں کے مسائل کو حل کرنے کی کوشش کرنا حضور ﷺ کا طرۂ امتیاز تھا۔

اللہ تعالیٰ ہر محلّہ کے مسلمانوں میں مخلوق کی خدمت کا جذبہ ڈال دے تا کہ محلّہ کا ہر فرد مسرت وخوشی کی لہروں میں اپنی زندگی گزار سکے۔

مظلوم کی مدد کیجئے

یہ ایک حقیقت ہے کہ مظلوم کی تائید ظالم کے سامنے کرنا اور ظالم کو اس کے ظلم سے باز رکھنے کیلئے ٹوکنا بڑی جرأت و ہمت کا کام ہے، موجودہ ماحول میں جب کہ ’’جس کی لاٹھی اس کی بھینس‘‘ کا قانون چلایا جارہا ہو اور صرف غنڈہ گردی اور طاقت کے بل پر مال و جائیداد حاصل کرنے کا مزاج بن گیا ہو کسی باہمت مومن ومسلمان کا مظلوم کی تائید کیلئے اُٹھنا یقیناً مجاہدہ کا کام ہے، ان حالات میں اگر ظالم کا ظلم بڑھتے رہے اور مظلوم اپنے آپ کو غیر محفوظ اور بے یار و مددگار سمجھنے لگے اور اپنے پڑوسیوں اور دوستوں کو اس معاملہ کی یکسوئی میں کمزور و بے بس محوس کرنے لگے تو ظاہر ہے کہ محلّہ میں کبھی امن و سلامتی کی فضاء قائم نہیں رہ سکتی ، اور ایک صالح معاشرہ کا وجود ختم ہوجائے گا، اس لئیکہ معاشرہ عدل و انصاف کے اصولوں پر قائم رہ سکتا ہے، محلّہ کے سنجیدہ افراد کو چاہئے کہ ظالم کو ظلم سے روک کر ظالم کی مدد کریں، وہ اس طرح کہ حضور ﷺ نے اِرشاد فرمایا:

انصر اخاک ظالما او مظلوما فقال رجل یا رسول اللہ انصرہ اذا کان مظلوما افرایت اذا کان ظالما کیف انصرہ قال تحجزہ او تمنعہ من الظلم ۔

تم اپنے بھائی کی مدد کرو چاہے وہ ظالم ہو یا مظلوم، ایک آدمی نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول جب وہ مظلوم ہو میں اس کی مدد کروں گا لیکن یہ بتایئے کہ جب وہ کسی

پر ظلم کرر ہا ہو تو میں کیسے اس کی مدد کر سکتا ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا تم اسے ظلم کرنے سے روک دو یہ اس کی مدد کرنا ہے، جب ظالم ظلم سے روک دیا جائے گا تو وہ لوگوں کی نفرت سے دنیا میں بچ جائے گا اور قیامت کے دن ظلم کی سزا سے بھی بچ جائے گا۔ اور یہی ظالم کی مدد ہے۔

پاکیزگی کا لحاظ رکھئے

ایمان کا مطالبہ اور تقاضا یہ ہے کہ مومنوں کے ظاہر و باطن دونوں ہی پاکیزہ ہوں، سوال یہ ہے کہ ظاہر کی پاکیزگی تو ظاہری ہے کہ جسم، لباس، گھر، صحن، دروازہ اور مال و اسباب وغیرہ صاف ستھرے ہوں لیکن باطن کی صفائی کا کیا مطلب ہے؟ باطن کی صفائی کا مطلب یہ ہے کہ آدمی کا دل شرک وغیرہ سے پاک ہو اسی لئے سورۂ توبہ کی آیت نمبر (۲۸) میں فرمایا گیا کہ:

انما المشرکون نجس فلا یقربوا المسجد الحرام بعد عامهم هذا

اے ایمان والو مشرک لوگ نرے ناپاک ہیں تو یہ لوگ اس سال کے بعد مسجد حرام کے پاس نہ آنے پاویں۔

مومن کامل وہ ہے جس کا ظاہر و باطن دونوں پاک ہوں جس کا ظاہر پاکیزہ ہو اس کو آدھا ایمان نصیب ہو گیا، اور جس نے اپنے دل میں شرک، حسد، خود غرضی، کینہ اور کبر و غیرہ کو جگہ نہیں دی بلکہ توحید، حیا، تواضع اور خلوص کو جگہ دی اس کو باقی آدھا ایمان بھی نصیب ہو گیا۔

ہم کس طرح پاکیزگی کا خیال رکھیں؟

عموماً دیکھا جاتا ہے کہ لوگ شرم وحیا کو بالائے طاق رکھ کر راستوں پر یا سڑکوں کے کنارے جہاں پر سے لوگوں کا گزر ہوتا ہے رفع حاجت کیلئے بیٹھ جاتے ہیں یا اپنے کمسن بچوں کو بٹھا دیتے ہیں جس سے ایک طرف رفع حاجت کرنے والا بے حیا ہو جاتا ہے تو

دوسری طرف راستہ چلنے والوں کو گھن ہوتی ہے جس سے قلبی تکلیف بھی ہوتی ہے اور عموماً لوگ ایسے مناظر دیکھ کر ان پر لعنت ملامت کرتے ہیں جس کا سبب رفع حاجت کرنے والے بنتے ہیں، ایسے راستے جو مسجدوں سے قریب ہوتے ہیں اور لوگ نماز کیلئے آتے ہیں بعض مرتبہ آنے والے غفلت میں اس نجاست پر سے گزرتے ہیں جس کی وجہ سے ان کے جوتے یا پیر آلودہ ہو جاتے ہیں، اس کا گناہ بھی ان لوگوں پر ہے جو راستوں پر بلا جھجک ضرورت سے فارغ ہوتے ہیں۔

عن معاذؓ قال رسول الله ﷺ اتقوا الملا عن الثلثة البراز فی الموار دقارعة الطریق والظل ﴿ابوداود و ابن ماجه﴾

حضرت معاذؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تین لعنت کے کاموں سے بچوں اور وہ یہ ہیں، (۱) رفع حاجت کرنا (۲) دریا کے گھاٹوں پر راستے میں اور (۳) سایہ کی جگہ میں

اللہ تعالیٰ نے دو ہاتھ انسان کو دیئے ہیں اور نبی کریم ﷺ نے دونوں ہاتھوں سے کام کرنے کا طریقہ بھی بتایا ہے، اسی طریقہ کے مطابق عمل کرنا پاکیزگی اور نظافت کی علامت ہے، مثلاً کھانا سیدھے ہاتھ سے کھانا اور استنجا بائیں ہاتھ سے کرنا چاہئے، آدمی کے نفیس اور پاکیزہ ہونے کی علامت یہ ہے کہ وہ پاکیزہ امور سیدھے ہاتھ سے انجام دے، اور ناپاک امور (جیسے اسنجا کرنا، ناک کا فصلہ صاف کرنا وغیرہ) کو بائیں ہاتھ سے انجام دے، جس ہاتھ سے ناپاک کام کئے جاتے ہیں اس ہاتھ سے کھانا پینا معیوب اور قابل نفرت عمل ہے۔

وعن عائشةؓ قالت كانت يد رسول الله ﷺ اليمنى لطهوره وطعامه وكانت يده اليسرى لخلائه وما كان من اذى ﴿ابوداود﴾

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ دایاں ہاتھ وضو اور کھانا کھانے میں استعمال کرتے تھے اور بائیں ہاتھ سے استنجا اور اس جیسے کاموں کو انجام دیتے تھے۔

پاکیزگی اورنفاست کا تقاضا یہ بھی ہے کہ ایسی چیزوں سے پرہیز کریں جن کی بو سے دوسروں کو تکلیف و ناگواری محسوس ہوتی ہو، ایسی چیزیں کھا کر مجلس یا مسجد میں ہرگز نہیں جانا چاہیئے، اس لئے کہ دوسروں کو تکلیف ہوتی ہے، مثلاً اکثر لوگوں کو بیڑی ،سگریٹ، ناس، پیاز ،لہسن کی بو انتہائی ناپسند ہوتی ہے، اگر ایسی چیزیں نماز سے عین قبل استعمال کی جائیں اور نماز باجماعت پڑھیں اور بدبو کو دور کرنے کی کوئی تدبیر نہ کی جائے تو ظاہر ہے کہ نفیس طبیعت کے لوگوں کو تکلیف ہوگی اسی لئے فرمایا گیا۔

وعن معاویة قرہ ؓ عن ابیہ ان رسول اللہ ﷺ نھی عن ھاتین الشجرتین یعنی البصل و الثوم وقال من اکلھا فلا یقربن مسجدنا وقال ان کنتم لا بدا کلیھا فامیتوھما طبخا ﴿ابوداود﴾۔

حضرت معاویہ بن قرۃ ؓ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ان دو نبات لہسن اور پیاز سے منع فرمایا ہے اور کہا ہے کہ جو شخص ان کو کھائے وہ ہماری مسجد کے قریب نہ آئے، اور آپ ﷺ نے فرمایا اگر ان کا کھانا ناگزیر ہو تو پکا کر ان کی بو کو ختم کر دینا چاہیئے۔

بعض لوگ اپنے گھروں میں مرے ہوئے جانوروں کو سڑکوں پر ڈال دیتے ہیں، جس کی ناقابل برداشت بو سے راہ گیروں کو تکلیف ہوتی ہے، جن کے گھروں میں گھونس، کتا، بلی یا کوئی اور جانور مرجائے و وہ اس مردار جانور کو ایسی جگہ پھینک دیں جہاں پر سے لوگوں کا گزر نہ ہوتا ہو، دوسروں کو تکلیف سے بچانے کیلئے اپنے آپ کو مشقت میں ڈالنا نبی کریم ﷺ کے سچے اُمتی ہونے کا بین ثبوت ہے۔ اگر ہم محلّہ کو پاک و صاف رکھنا چاہتے ہیں تو مل جل کر پاکیزگی و نفاست کی جتنی تدبیریں ہیں ان کو بروئے کار لانے کی کوشش کریں۔ محلّہ کے اندر صالح ماحول پیدا کرنے میں نظافت اور پاکیزگی کا بھی دخل ہے۔

ایمان کی متعدد شاخیں

ایمان کی متعدد شاخیں ہ یں، جن شاخوں کے مجموعہ ہی سے ایمان کے درت کا تصور کیا جاسکتا ہے، مومن کامل کی نظر ایمان کی ساری شاخوں پر ہوتی ہے، حضور ﷺ نے ایمان کی شاخوں کا تذکرہ یوں فرمایا:

وعن ابی هریرةؓ قال قال رسول الله ﷺ الایمان بضع وسبعن شعبة فافضلها لا اله الا الله وادنا اماطة الاذ عن الطريق والحياء شعبة من الايمان ۔ ﴿بخاری و مسلم﴾

حضرت ابوھریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایمان کی شاخیں ستر سے کچھ اوپر ہیں، ان میں سب سے افضل اس بات کا اقرار ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور سب سے کم تر درجہ کی شاخ کسی تکلیف واذیت دینے والی چیز کو راستے سے ہٹا دینا ہے، نیز شرم وحیا بھی ایمان کی ایک شاخ ہے۔

حضور ﷺ کے اِرشاد کا منشا یہ ہے کہ ایمان کی آخری شاخ راستے سے اذیت دینے والی چیز کو ہٹا دینا ہے تاکہ کسی راہ چلنے والے کو کوئی تکلیف یا نقصان نہ پہنچے، دراصل رحمت عالم ﷺ نے اپنے اس اِرشاد کے ذریعہ اپنی اُمت کی تربیت کی ہے کہ انسان جس طرح اپنے اندر عبادات کا ذوق وشوق رکھتا ہے اسی طرح اس کا ذوق یہ بھی ہو کہ وہ راہ چلتے ہوئے ایذا دینے والے کانٹوں وغیرہ کو دیکھے تو اس کو ایسی جگہ پھینک دے جہا پر سے کسی کا گزر نہیں ہوتا، راہ چلتے ہوئے ایسے گڑھے نظر آئیں جو اکثر جان لیوا ثابت ہوتے ہیں تو انہیں پر کرنے کی یا ڈھانپ دینے کی کوئی تدبیر سوچے اور طاقت کے بقدر لوگوں کو اذیت سے بچائے۔

اس حدیث کو پڑھ کر صرف راستہ سے اذیت دینے والی چیز ہی کو ہٹانے کا جذبہ پیدا نہ ہو بلکہ جہاں بھی ہم ہوں اور ہمیں محسوس ہو کہ لوگوں کو اس سے تکلیف ہوگی تو اس اذیت

دینے والی چیز کو ہٹا دینا چاہئے، اگر راستے سے خاردار درخت کی ٹہنی دینے کا نیک بدلہ کیا ملنے والا ہے معلوم ہو جائے تو ہر آدمی اس نیک کام میں ضرور حصہ لے گا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایک آدمی خاردار درخت کی ٹہنی پر سے گزرا جو راستے پر پڑی ہوئی تھی تو اس نے کہا خدا کی قسم میں اسے مسلمانوں کے راستے سے ہٹا کر رہوں گا تا کہ وہ انہیں تکلیف نہ دے۔(اس نے راستے سے ہٹا دیا) تو اسے جنت کا داخلہ مل گیا۔(مسلم)

ایک اور حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا میں نے ایک آدمی کو دیکھا جو جنت میں اپنی مرضی سے اس کی نعمتوں اور لذتوں سے لطف اندوز ہو رہا ہے اس بنا پر کہ اس نے راستے سے ایک ایسے درخت کو کاٹ پھینکا تھا جس سے لوگوں کو تکلیف ہوتی تھی، حضرت ابو برزہؓ کہتے ہیں میں نے عرض کیا حضور مجھے ایسی چیز بتائیے جس پر عمل کرنے سے مجھے نفع ہو؟ آپ ﷺ نے انہیں کچھ باتیں بتائیں پھر آخر میں فرمایا مسلمانوں کے راستے سے تکلیف دینے والی چیزیں (مثلاً غلاظت،کوڑا کرکٹ مردار وغیرہ) ہٹاتے رہو۔

ایذا دینے والا مفلس ہے

ہم مسلمان ہیں اور ہمیں خوشی بلکہ بے انتہا خوشی ہے کہ ہم مسلمان ہیں، لیکن ہمیں یہ بھی غور کرنا ہوگا کہ کیا ہم نبی رحمت حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی نگاہوں میں بھی مسلمان ہیں، آپ ﷺ کی نگاہوں میں مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ ہوں، اگر ہم نے لوگوں کی اور خصوصاً اپنے ہی محلّہ والوں اور پڑوسیوں کی غیبت اور چغلخوری کی، اوران پر بہتان لگایا، انہیں گالی دی، اوراپنے ہاتھ سے تکلیف پہنچائی، اور ظلم وتشدد کا معاملہ کیا تو کیا ہم اس اُمید پر زندہ رہ سکتے ہیں کہ پیارے رسول ہماری شفاعت فرمائیں گے، اور ہمارے مسلمان ہونے کی گواہی دیں گے۔

اگر ہم نے ایذا رسانی کا سلسلہ جاری رکھا اور اسی حالت میں ہم دنیا سے رخصت ہو گئے تو بتائیے کہ کل قیامت کے دن وہ سارے مظلوم جن پر ہم نے ظلم کیا ہے ہمارے

نیک اعمال اپنے نامہ اعمال میں منتقل نہیں کرالیں گے اور کیا ہم اجر وثواب کھو کر مفلس نہیں رہ جائیں گے، اسی لئے اللہ کے پیارے رسول ﷺ نے صحابۂ کرام سے پوچھا تھا کہ کیا تم جانتے ہو کہ مفلس کون ہے؟ صحابہ نے عرض کیا کہ ہم میں مفس وہ ہے جس کے پاس نہ درھم ہو اور نہ مال و اسباب! آپ ﷺ نے فرمایا میری اُمت میں اصلی مفلس وہ ہے جو قیامت کے روز اس حال میں حاضر ہو کہ اس کے پاس نماز روزۃ اور زکوۃ ہو مگر وہ کسی کو گالی دے کر آیا ہو، کسی کو بہتان لگا کر، کسی کا مال کھا کر، کسی کا خون بہا کر اور کسی کو پیٹ کر آیا ہو پھر اس کی ایک ایک نیکی مظلوموں میں بانٹ دی جائے اس سے قبل کہ جو کہ اسے چکانا ہے وہ چکایا جائے ، اگر اس کی نیکیاں ختم ہو جائیں تو مظلوموں کی خطائیں اس کے حساب میں ڈال دی جائیں، اور پھر وہ آتش دوزخ میں پھینک دیا جائے۔ (مسلم)

دوسروں کے جذبات کا احترام کیجئے

ہر انسان کے کچھ فطری ضروریات اور جذبات ہوتے ہیں، اگر یہ جذبات جائز حدود میں ہو تو ہر ایک کو چاہیے کہ دوسروں کے ان جذبات کا احترام کرے، ہم سب ایک دل اور نیک دل بن کر جب کسی محلّہ میں رہیں تو مومن و مسلمان کے دل میں جس طرح اپنے ضروریات کی تکمیل کی فکر اور جذبات کی قدر ہوتی ہے اسی طرح دوسروں کی ضروریات کی تکمیل کی بھی فکر ہونی چاہیے ، اور ساتھ ہی دوسروں کے جذبات کا لحاظ بھی ، دور رسالت کے اس واقعہ پر غور کیجئے کہ حضرت مالک بن حویرثؓ کہتے ہیں کہ ہم چند ہم عمر نوجان نبی کریم ﷺ کے پاس (دین سیکھنے) آئے آپ ﷺ کے پاس ہم نے بیس روز قیام فرمایا، آپ ﷺ نہایت رحیم اور نرم خو تھے ، آپ ﷺ نے محسوس کیا کہ ہم گھر جانا چاہتے ہیں، آپ ﷺ نے ہم سے پوچھا کہ تمہارے پیچھے کون لوگ ہیں؟ ہم نے آپ ﷺ کو بتایا تو آپ ﷺ نے فرمایا اپنے بچوں میں واپس جاو اور ان کے درمیان رہو اور انہیں (جو کچھ سیکھا ہے) سکھاو اور فلاں نماز فلاں وقت میں پڑھو۔

حضور ﷺ کی نظر جہاں آنے والے لوگوں کی دینی اور علمی ضرورت پر تھی وہیں آپ ﷺ کی نظر ان کے جذبات وخواہشات وضروریات پر بھی تھی، یہی وجہ تھی کہ چند آثار وقرائن سے آپ ﷺ نے بھانپ لیا کہ انہیں اپنے اہل وعیال کی یاد آرہی ہے۔ آپ ﷺ نے انہیں چند نصائح کے ساتھ واپس جانے کی اجازت دی۔

آج کل دین کی دعوت دیتے ہوئے اکثر داعی حضرات لوگوں کے جذبات کا عموماً لحاظ نہیں رکھتے ان کے نزدیک صرف دعوت کا پہلو سامنے رہتا ہے، باقی سارے احوال سے نابینا ہوت ہیں، اللہ تعالیٰ وسعت نظری کا دل اور دور بینی کا چشمہ انہیں عنایت فرمائے۔

دوسروں کے مرتبہ کا پاس ولحاظ رکھئے

ہم جس محلّہ میں رہتے بستے ہیں وہاں ایک ہی عمر اور ایک ہی درجہ کے لوگ نہیں رہتے بلکہ محلّہ میں کوئی عمر میں بڑا ہوتا ہے تو کوئی علم و ہنر میں بڑا ہوتا ہے، کوئی رشتہ داری میں بڑا ہوتا ہے تو کوئی تقویٰ اور پرہیزگاری میں بڑا ہوتا ہے عمر، علم، رشتہ داری اور پرہیزگاری و دیگر قابل لحاظ درجے اور مرتبے کے لوگ جب رہتے ہوں تو ان سے ان کے مراتب کے لحاظ سے گفتگو اور معاملہ کرنا چاہئے، بیٹا باپ سے، شاگرد استاد سے، چھوٹا بڑے سے، عورت مرد سے، مقتدی امام سے ان کے مرتبہ اور مقام کے لحاظ سے گفتگو کریں اور آداب کا لحاظ رکھیں۔

اس واقعہ کو یاد کیجئے کہ جب نبی کریم ﷺ نے مکہ کے قریش سے صلح کرلی تھی اس وقت حضرت ابوبکرؓ کی بیٹی حضرت اسماء مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ میں مقیم تھیں، اور ان کی والدہ جو مشرکہ تھیں بیٹی سے ملاقات کیلئے مدینہ آئیں تو حضرت اسماءؓ نے حضور ﷺ سے کہا کہ کیا میں میری مشرک ماں کے ساتھ احسان کا معاملہ کروں تو آپ ﷺ نے فرمایا ہاں اپنی ماں کے ساتھ حسن سلوک کرو۔ (مسلم)

اور اس خواب کو بھی یاد کیجئے جو مسواک کر رہا ہوں میرے پاس دو آدمی آئے جن

میں سے ایک شخص دوسرے سے عمر میں بڑا تھا ان میں جو چوٹھا تھا میں نے اسے مسواک دینے کا اِرادہ کیا تو مجھ سے کہا گیا کہ میں بڑے کو دوں ، پس میں نے مسواک ان میں سے جو شخص بڑا تھا اسے دے دیا۔(بخاری)۔

اوراس واقعہ کو بھی یاد کیجئے جب کہ آپ ﷺ صحابۂ کرام کے ساتھ تشریف فرما تھے اور ایک معمر خاتون تشریف لائیں تو آپ ﷺ نے ان کا استقبال فرمایا اور ان کیلئے چادر بچادی وہ آپ کی رضاعی ماں حضرت حلیمہ تھیں۔

دور رسالت کے ان تینوں واقعات کو ایک طرف رکھئے اور دوسری طرف موجودہ دور کے لوگوں کے حالات پر غور فرمایئے کہ کس قدر اخلاقی فرق آچکا ہے، ماں باپ کی صحیح تربیت سے محروم اولاد آج کل سڑکوں، راستوں اور بازاروں میں اپنے بروں کی وقعت اور عزت کو فراموش کر چکی ہے۔آٹھ دس سالہ لڑکا ساٹھ ستر سالہ بزرگ سے اسی طرح بات کرتا ہے جس طرح وہ اپنے ہم عمر ساتھی سے بلاتکلف بات کرتا ہے، بلکہ عموماً گستاخی ،تمسخر،تحقیراور دل آزادی کے مناظر ہی سامنے آتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ان مدہوش بچوں کے ہوش ماں باپ کو یہ احساس اورقوت فکر عطا فرمائے کہ ان کی اولاد جس اخلاقی تنزل اور گراوٹ کا شکار ہے اس گراوٹ سے نکالنے کیلئے انہیں کیا اقدام کرنا چاہئے۔

میل جول رکھئے اور حسن معاملہ فرمایئے

ایک ہی محلّہ میں رہنے والے آپس میں جب ایک دوسرے سے کسی بھی قسم کا معاملہ طے کریں تو اس میں محبت، الفت ،نرمی،مروت اورمیل جول کے جذبات کو ہونا ضروری ہے، ایک صالح اور مثالی معاشرہ قائم رکھنے کیلئے ہر معاملہ میں ان صفات و اخلاق کا لحاظ ہونا چاہئے ، ایک محلّہ میں رہنے کی وجہ سے ایک شخص کو دوسرے سے کوئی نہ کوئی چیز خریدنے یا بیچنے کا موقع آتا ہے،ضرورت کی کوئی چیز عارضی طور پر لینے اوردینے کے مواقع آتے رہتے

ہیں، ان تمام حالات میں ایک مومن و مسلمان کے دل میں نرمی، وسعت، کشادگی، ایثار اور احسان کے جذبات ہوں تو ایک دوسرے کے تعلقات مستحکم ہوتے ہیں اور اس کے بجائے اگر تنگی، سختی، بے مروتی کے ناپاک جذبات ہوں تو سوائے قطع تعلقی کے اور کوئی صورت پیش نہیں آتی، حضور ﷺ نے ایسے نرم مزاج بندوں کے حق میں یوں دعا فرمائی۔

رحم اللہ رجلا سمحا اذا باع و اذا اشتری و اذا اقتضی ۔

اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم فرمائے جو نرمی اور فیاضی سے کام لیتا ہے جب کہ وہ بیچتا ہے اور جب خریدتا ہے اور جب تقاضا کرتا ہے۔ (بخاری عن جابرؓ)۔

یہ حقیقت ہے کہ تقریباً ہر آدمی پر ایسے حالات آتے رہتے ہیں کہ اس کو دوسروں سے قرض لینے کی ضرورت پڑتی ہے، وہ اپنی سہولت کے لحاظ سے اس کی ادائیگی کی تاریخ میں بتا دیتا ہے، اتفاقاً مقررہ تاریخ تک وہ ادا نہیں کر پاتا تو ایسی صورت میں قرض دینے والے کو چاہئے کہ وہ مقروض کو مہت دے، اس سے ایک طرف اپنے بھائی کی مدد بھی ہو جاتی ہے اور دوسری طرف اس ایثار و احسان پر ثواب بھی ملتا ہے، چنانچہ احمد اور ابن ماجہ کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی مفلس مقروض کو جتنے دن کی مہت قرض دینے والا دیتا ہے اتنے دن تک ہر روز قرض دیتے رہنے کا ثواب ملتا ہے، اگر وہ پھر مہلت دیتا ہے تو اسے دیتے ہوئے قرض کا دونا قرض دیتے رہنے کا اجر و ثواب ملے گا۔

رحمت حق بہانہ می جوید:

ابی الیسرؓ سے روایت ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا جو شخص اپنا حق وصول کرنے میں تنگ دست کو مہلت دے یا اپنا حق معاف کر دے تو اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے روز اپنے سایہ میں جگہ عنایت فرمائے گا۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اہل محلّہ کے ساتھ خصوصاً اور سارے ہی انسانوں سے عموماً حسن سلوک کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

تحقیر نہ کیجئے

عموماً ایسے نقشے بار بار دیکھنے کو ملتے ہیں کہ محلّہ کی کسی سڑک کے کنارے پر چار پانچ نوجوان موج و مستی کے نشے میں چور اخلاقی پستی کے مظاہرے کرتے رہتے ہیں، اتنے میں کوئی شخص بھولا بھالا ان کے سامنے سے گزرتا ہے، بس سب کی نظریں اسی پر پڑتی ہیں اور تمسخر، تضحیک اور تذلیل کی اجتماعی کوشش شروع ہو جاتی ہے، کبھی اس کی قد و قامت پر طنز و مزاح ہو رہا ہے، کبھی اس کی شکل و صورت کا مذاق ہو رہا ہے، کبھی س کی وضع قطع کو دیکھ کر حقارت آمیز کلمات بکے جا رہے ہیں، بعض مرتبہ تو یہ اوباش اس قسم کی نچلی حرکتوں کے مرتکب ہو کر ایمان سے بھی محروم ہو جاتے ہیں، جس کی شکل یوں پیش آتی ہے کہ کوئی دیندار جو اسلامی سادہ لباس میں ملبوس چہرہ پر داڑھی، سر پر ٹوپی رکھے جاتا ہے تو اس کی داڑھی اور اسلامی لباس پر چند منچلے اور مسخرے طرح طرح کی ناپاک مثالوں سے مذاق اُڑاتے ہیں جس کے نتیجہ میں ان کا ایمان مشتبہ ہو جاتا ہے اس لئے کہ اللہ کے پیارے رسول کی سنت کی تضحیک کرنا دراصل نبی رحمت ﷺ کی توحین کرنا ہے، اور جو آپ کی توہین کرے اس کے مسلمان ہونے کا فتویٰ عقلمند نہیں دے سکتا۔ ﴿**اللهم احفظنا منه**﴾

جو لوگ دینداروں اور بظاہر غبار آلود خاکساران جہاں کو دیکھ کر مذاق کرتے ہیں انہیں نبی کریم ﷺ کے اس اِرشاد پر غور کرنا چاہیے۔

قال رب اشعث مدفوع بالابواب لواقسم علی اللہ لابره ﴿مسلم عن ابی هريرة﴾

کہتے ہی پریشان بال غبار آلود دروازوں پر دھکیلے ہوئے لوگ ایسے ہیں کہ اگر وہ خدا پر اعتماد کرتے ہوئے کسی بات پر قسم کھالیں تو خدا اسے پورا کر دے۔

اگر ایسے نیک لوگ اپنی زبان سے ان اوباشوں کے حق میں بددعا فرمادیں تو پھر ان کے نجات پانے کی کوئی راہ نہیں رہے گی۔

مسلم نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ کے بندے

اور آپس میں بھائی بھائی بن کر رہو مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، آپ ﷺ نے اپنے سینہ کی طرف اشارہ فرمایا فرمایا ایسا آپ ﷺ نے تین مرتبہ فرمایا آدمی کے لئے یہی برائی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر خیال کرے، مسلمان کی ہر ایک چیز دوسرے پر حرام ہے اس کا خون اس کا مال اور اس کی آبرو۔

ہمارے سامنے سے اگر کوئی کافر بھی گذر رہا ہوتو ہمارے اخلاق اتنے بلند ہونی چاہئے کہ اس کو یقین ہوجائے کہ یہ لوگ مسلمان ہیں ایذا دینے والے نہیں ہیں یہ امن دینے والے ہیں تکلیف پہنچانے والے نہیں۔

چار نصیحتوں کو نہ بھولئے

جب ہم سڑک پر چل رہے ہوں، کسی دوکان یا ہوٹل پر کھڑے یا بیٹھے ہوں، محلّہ کے کسی ادمی سے گفتگو کررہے ہوں، کسی سے کوئی معاملہ طے کررہے ہوں، بازاروں سے گزر رہے ہوں تو بہت سی باتوں کا لحاظ رکھنا ضروری ہے، ان میں چار اہم چیزوں کا لحاظ ضرور رکھیں ۔جن کو حضرت لقمانؑ نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے بیان کیا ہے اور قرآن کریم نے ان الفاظ کو یوں بیان کیا ہے۔

ولا تصعر خدک للناس ولا تمش فی الارض مرحا ان الله لایحب کل مختال فخور O واقصد فی مشیک واغضض من صوتک ان انکر الاصوات لصوت الحمیر O ۔﴿۱۹۔ لقمان﴾

لوگوں سے اپنا رُخ مت پھیر اور زمین پر اترا کر مت چل بیشک اللہ تعالیٰ کسی تکبر کرنے والے فخر کرنے والے کو پسند نہیں کرتے اور اپنی رفتار میں اعتدال اختیار کر اور اپنی آواز کو پست کر بیشک آوازوں میں سب سے بُری آواز گدھوں کی آواز ہے۔

جب ہم لوگوں سے ملاقات کریں اور گفتگو کریں تو ان سے منہ پھیر کر گفتگو نہ کریں اس لئے کہ کسی سے اس انداز سے گفتگو کرنا کہ چہرہ کسی اور طرف پھرا ہوا ہو مخاطب سے

اعراض کرنا اور اپنے اندر موجود انانیت وغرور کا ثبوت دینا ہیاور یہ ایک شریف آدمی کی خصلت نہیں ہوسکتی۔

راستہ چلتے ہوئے اکڑ کر اور اُترا کر نہیں چلنا چاہیئے ، بلکہ عاجزی اور انکساری سے چلنا چاہیئے ، ناپاک اور کمزور پانی کے قطرہ سے پیدا شدہ انسان کیلئے یہ زیبا نہیں دیتا کہ وہ زمین پر اتراتے ہوئے چلے اور وہ غرور و گھمنڈ سے اپنی گردن اونچی کرلے۔

اسی طرح راستہ چلتے ہوئے رفتار میں اعتدال (میانہ روی) اختیار کرنا چاہیئے نہ بہت دوڑ بھاگ کر چلے کہ ایسا چلنا وقار کے خلاف ہے اور نہ بہت آہستہ چلے جو یا تو متکبریں کی عادت ہے یا عورتوں کی عادت ہے جو شرم وحیا کی وجہ سے تیز نہیں چلتیں، نیز تندرستی کے باوجود بالکل آہستہ چلنا بیماروں کی شکل اختیار کرنا ہے جو اظہار ناشکری ہے، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ صحابۂ کرامؓ کو یہودیوں کی طرح دوڑنے سے بھی منع کیا جاتا تھا اور نصاریٰ کی طرح بہت آہستہ چلنے سے بھی، اور حکم یہ تھا کہ ان دونوں چالوں کی درمیانی چال اختیار کرو۔ (معارف القرآن)

جامع صغیر میں حضرت ابوھریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ چلنے میں بہت جلدی کرنا مومن کی رونق کو ضائع کردیتا ہے۔

بلاضرورت شور کرنا اور ایسی آوازیں نکالنا جس سے کسی کے کان پھٹ جائیں اور اتنی بلند آواز سے گفتگو کرنا کہ آدمی کی وقعت اور وقار پر حرف آئے ہرگز مناسب نہیں ہے، اسی لئے فرمایا کہ اپنی آواز پست رکھو اور آگے یہ بھی بتادیا کہ سب آوازوں سے زیادہ بُری آواز گدھوں کی آواز ہوتی ہے۔

اس تشبیہ کا منشا یہ ہے کہ گفتگو کے لہجہ میں خاص قسم کی پستی اور نرمی ہونی چاہیئے اور ایسے لہجہ سے گریز کرنا چاہیئے جس میں بلاضرورت حد سے زیادہ بلندی اور سختی ہو، آواز کا پست و بلند ہونا موقع کے لحاظ سے ہے، اگر مخاطب قریب ہو یا کم آدمیوں سے خطاب ہوتو ظاہر ہیکہ پست آواز می بولنا چاہیئے اور اگر اس کے برعکس ہوتو ذرا بلند آواز سے

بولیں اس سے ہٹ کر مغرورانہ انداز میں دھونس جمانے کیلئے گلا پھاڑ پھاڑ کر گدھے کی سی آواز نکال کر گفتگو کرنا معیوب اور ناپسندیدہ ہے۔

کردار کی طاقت سے ہردلعزیز بن جایئے

ہم اور آپ جس محلّہ میں زندگی بسر کرتے ہیں اس محلّہ کے افراد میں ہمارا اعتماد ہونا ضروری ہے، اگر کسی شخص پر دوسروں کو اعتماد نہیں ہے تو اس شخص کی رائی کے برابر بھی قیمت نہیں ہے اور اعتماد اخلاق و کردار کی طاقت سے پیدا ہوتا ہے، اگر ہم اپنے قول میں سچے ہیں اور اپنے معاملات میں امانت دار ہیں اور وعدہ کے پابند ہیں تو لوگوں کے دلوں میں ہماری قدر و قیمت کے ہونے میں کوئی شک نہیں ہے، بنیادی طور پر عموماً آدمی کے اخلاق کا امتحان ان تین چیزوں میں ہوتا ہے کہ وہ سچا ہے یا جھوٹا، امانت دار ہے یا خیانت کرنے والا، وعدہ وفا ہے یا وعدہ اخلافی کرنے والا، اسی لئے ان تینوں صفات کو منفقوں کی نشانی قرار دیا چنانچہ رسول اللہ ﷺ کا یہ اِرشاد حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا تین خصلتیں ایسی ہیں جو منافق ہونے کی نشانی ہیں یعنی کسی مسلمان کا کام نہیں ہے کہ وہ یہ کام کرے اگر کسی انسان میں یہ باتیں پائی جائیں تو سمجھ لو کہ وہ منافق ہے وہ تین باتیں یہ ہیں کہ جب وہ بات کرے تو جھوٹ بولے اور جب وعدہ کرے تو اس کی خلاف ورزی کرے،اور جب اس کے پاس امانت رکھوائی جائے تو وہ خیانت کرے۔

ان تینوں احادیث سے یہ حقیقت سمجھ میں آگئی کہ جھوٹ، خیانت اور وعدہ خلافی کتنی مذموم عادتیں ہیں، جب ہم امانت داری،سچائی اور وعدہ خلافی کے خوگر ہوجائیں تو اہل محلّہ کی نظروں میں مومن و مسلمان رہیں گے اور ان کی نظروں میں ہم بااعتماد اور قابل بھروسہ انسان بن جائیں گے۔

سڑکوں پر کھیل کود

انسان کی صحت کیلئے کھیل کو یقیناً ضروری ہے، اسی لئے اسلام نے کھیل کود جب کہ وہ جائز حدود میں ہوروا رکھاہ ے، لیکن اس کو اتنی اہمیت دینا کہ جس سے اللہ کے احکامات کی پرواہ نہ رہے یقیناً درست نہیں ہے، پہلے بھی لوگ کھیلتے کودتے تھے مگر ان کے کھیل کود میں شرافت، انسانیت اور ایک دوسرے کا خیال ہوتا تھا لیکن جب سے عالمی شہرت کرکٹ نے حاصل کی ہے نوجوان طبقہ خصوصاً ہر اعتبار سے بے قابو ہو چکا ہے، ان کے نزدیک کرکٹ دیکھنا یا کامنٹری سننا اپنی تعلیم، تجارت، ملازمت سے بھی بڑی چیز بن گئی ہے، اس کی نگاہوں میں کرکٹ کے خاطر وقت پر کھانے اور سونے اور نماز پڑھنے کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔

اور اس کھیل سے سب سے بڑا مسئلہ راہ گیروں کیلئے بن چکا ہے جب راستوں پر کھیلتے ہوئے نوجوان کھیل کی دھن میں بولنگ اور بیاٹنگ کرتے ہیں تو انہیں گیند اور وکٹس کے سوا اور کوئی چیز نظر نہیں آتی، ہم بار بار دیکھتے ہیں کہ گیند راستہ چلنے والے کسی کمزور اور ضعیف بوڑھے کے سر پر لگ جاتی ہے تو کبھی راہ چلتی عورت کو لگ جاتی ہے، مرد ڈانٹتے ہوئے اور عورتیں اپنی بھڑاس نکالتے ہوئے گزر جاتی ہیں، بھی تیز سواریوں کی زد میں کھیلنے والے آجاتے ہیں جب وہ گیند کے پیچھ بھاگتے ہیں، ایسی صورت میں سینکڑوں حادثات بھی ہو جاتے ہیں جو کسی کے زخمی اور کسی کے ہلاک ہونے کا ذریعہ بنتے ہیں، اپنے کھیل کے خاطر سینکڑوں راہ گیروں کو ایذا دینا حقیقت میں ظلم ہے اور اسلامی تہذیب کے سراسر خلاف ہے، محلّہ کے سنجیدہ افراد کو چاہئے کہ ایسے نوجوانوں کو جو راہ گیروں کا لحاظ کئے بغیر سڑکوں پر کھیل رہے ہیں باز رکھیں اور حکمت کے ساتھ ان کی تربیت فرمائیں، اور ماں باپ اپنے اپنے بچوں کو راستہ پر کھیل کود سے منع کریں، سڑکوں پر کرکٹ کھیلنے میں پڑوسیوں کو بھی تکلیف ہوتی ہے اس لئے کہ عموماً کھیلنے والے دوسروں کے مکانات میں بے دھڑک داخل ہوتے ہیں جو اسلامی تہذیب کے خلاف ہے۔

سڑکوں پر پتنگ بازی

پتنگ بازی ایک باطل مذہب کے تہوار کا مخصوص کھیل ہے، اسلام کا آتش بازی، کبوتر بازی، پتنگ بازی یا کسی اور بازی سے تعلق نہیں ہے، اسلام نے جوے بازی کو حرام قرار دیا ہے، اور یہ ساری چیزیں اسی قبیل کی ہیں عام دنوں میں صرف پتنگ اُڑانا جس میں کسی کا حق مارنا نہ ہو اس قدر معیوب نہیں ہے لیکن دوسروں کے مذہبی دن میں جو خاص کھیل کا رواج ہے اس کھیل میں مسلمانوں کا شریک ہونا اوران کے شانہ بہ شانہ خود بھی اس میں شریک ہونا یقیناً معیوب ہے۔

کرکٹ کی طرح پتنگ بازی میں بھی راہ گیروں کو تکلیف ہوتی ہے، سڑک سواریوں اور راہ چلنے والوں کیلئے بنائے جاتے ہیں کھیل کود کیلئے نہیں پتنگ بازی میں پڑوسیوں کی چھتوں پر بغیر اجازت چڑھنا اور دوسروں کے گھروں میں بے دھڑک گھسنا سڑکوں پر بے تحاشا دوڑنا عموماً ہوتا ہے، پتنگ بازی میں مروت اور شرافت کے سوا سب کچھ ہوتا ہے اس لئے مسلم محلوں میں کم از کم اس بات کی کوشش ہونی چاہئے کہ پتنگ بازی کا سلسلہ ختم ہو جائے تا کہ راہ گیروں کو امن وسکون نصیب ہو، اور تیز رفتار سواریاں امن وسلامتی کے ساتھ اپنی منزلوں تک پہنچ سکیں، پتنگ بازی کا موسم جب آتا ہے تو کم سن بچے، نوجوان لڑکے، ادھیر عمر کے لوگ، نوجوان لڑکیاں، حتی کہ چلنے سے معذور بوڑھے بھی اس کھیل میں مصروف ہوجاتے ہیں، اخبارات میں یہ خبریں تو ان دنوں برابر دیکھنے کو ملتی ہیں کہ چھت پر سے نوجوان گر کر ہلاک، تین منزلہ عمارت پر سے ایک کمسن بچہ پتنگ کھیلتے ہوئے فوت وغیرہ وغیرہ، یہ سب کھیل کود میں حد سے نکل جانے کا نتیجہ ہے۔

محلّہ کے سنجیدہ لوگوں کو چاہئے کہ اجتماعی طور پر اس قسم کی بداخلاقیوں کو روکیں۔

گولیاں کھیلنے والے بچوں کو نصیحت کیجئے

کھیلوں میں ایک مرغوب کھیل گولیاں کھیلنا بھی ہے، بظاہر یہ کھیل ہے مگر حقیقت میں یہ جوے کی عملی مشق ہے، اس لئے کہ گولیاں کھلتے ہوئے بچے یا تو جیت کر زیادہ گولیاں حاصل کرتے ہیں یا تو ہار کر نقصان اُٹھاتے ہیں، ظاہر ہے کہ جس کھیل میں نفع یا نقصان ہوتا ہے وہ جوا ہے جس سے اسلام منع کرتا ہے، ماں باپ اور سرپرستوں پر یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اس قسم کے کھیلوں میں بچوں کا نہ تعاون کریں اور نہ ہمت افزائی، بلکہ اس قسم کے کھیلوں سے روکیں اس لئے کہ آج جو بچہ گولیاں جیتنے پر خوش ہو رہا ہے وہ کل جب بڑا ہوگا تو جوے کا شوقین بن جائے گا جو برائیوں کی جڑ ہے، ماں باپ کو چاہئے کہ وہ اپنے بچوں کو ایسے کھیلوں میں لگائیں جس سے ان کی علمی لیاقت و صلاحیت کے ساتھ ساتھ جسمانی صحت بھی بنتی ہو، اور ان تمام کھیلوں میں جائز حدود کا لحاظ رکھنے کی ترغیب بھی دیں نیز کھیلتے ہوئے کسی کو ان کی طرف سے کوئی تکلیف بھی نہ ہو۔

بے حیائی اور عریانیت کو دور کیجئے

حیا اور حقیقت دل کی اس خاص کیفیت کو کہتے ہیں جو آدمی کو نازیبا اور خلاف ادب کاموں سے روکتی ہے، حیا اسلام کی پیداوار ہے، ایمان اور حیا دونوں ایک دوسرے سے جدا نہیں ہو سکتے، اگر کسی مسلمان کے دل میں حیا ہے تو ایمان بھی ہے اور اگر حیا نہیں ہے تو ایمان بھی ہے اور اگر حیا نہیں ہے تو سمجھو کہ ایمان کی خوشبو بھی مفقود ہے، جس طرح چراغ جہاں ہو وہاں روشنی کا ہونا ضروری ہے اسی طرح جہاں ایمان ہو وہاں حیا کا ہونا لازمی ہے، حیا سراپا بھلائی ہے اور بے شرمی گھاٹے کا سواد ہے، حیا وہ انمول صفت ہے جو برائی کرنے کیلئے رکاوٹ بنتی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ ایک شخص کے پاس سے گزرے وہ حیا کے سلسلے میں عتاب کر رہا تھا، کہہ رہا تھا کہ تم اس قدر حیا کرتے ہو کہ اس

سے تمہیں نقصان پہنچے گا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اسے چھوڑ دو اس لئے کہ حیا ایمان کا ایک جز ہے۔(بخاری)

حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا نبوت سابقہ کے کلام میں سے لوگوں نے جو کچھ پایا ہے اس میں سے ایک یہ بات ہے کہ جب تم نے شرم کو اُٹھا کر رکھ دیا تو اب جو چاہو کرو۔(بخاری)

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا حیا اور ایمان ساتھ ہی یکجا رہتے ہیں جب ان میں سے کوئی ایک اُٹھا لیا جاتا ہے تو دوسرا بھی اُٹھا لیا جاتا ہے۔
(البیہقی فی شعب الایمان)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم عریانی سے پرہیز کرو تمہارے ساتھ وہ ہیں جو تم سے جدا نہیں ہوتے مگر صرف اس وقت جب تم قضاء حاجت کیلئے جاتے ہو یا اپنی بیویوں سے جسمانی رابطہ قائم کرتے ہو پس تم ان سے حیا کرو اور ان کا احترام کرو یعنی اعمال نامہ لکھنے والے اور حفاظت کرنے والے فرشتے اس وقت انسان سے جدا ہو جاتے ہیں جب وہ بالکل ننگا ہو جاتا ہے۔

ان احادیث کے علاوہ متعدد احادیث ایسے ہیں جن سے حیا کی اہمیت اور افادیت نیز بے حیائی کی مذمت اور نقصانات کا علم ہوتا ہے، جب ان احادیث سے یہ نتیجہ حاصل ہو چکا کہ حیا کے ذریعہ ہی سے بھلائی اور خیر اور نیکیوں کی بقا ہے اور بے حیائی سے برائیوں اور گناہوں کا لامحدود سلسلہ چل پڑتا ہے تو مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ اپنے محلوں میں حیاداری کی فضاء کو برقرار رکھیں، عریانیت کو ختم کرنے کی کوشش وفکر کے ساتھ عملی اقدام کریں۔

ہم عریانیت کو ختم کرنے کی اجتماعی کوشش مختلف تدبیروں سے کر سکتے ہیں، عریاں و نیم عریاں پوسٹر جب ہمارے محلوں کی دیواروں اور چوراہوں پر لگائے جائیں تو ان کو ضائع کر دیں تا کہ بچوں کی آنکھیں ان مناظر کو دیکھنے سے محفوظ رہیں، اپنے رشتہ داروں

یا متعلقین میں سے کسی کی بیوی ، بیٹی یا بہن محلّہ کی سڑکو پر بے پردہ نیم عریاں حالت میں بے دھڑک پھر رہی ہوں تو ہم حکمت و مصلحت کو ملحوظ رکھتے ہوئے ان سر پرستوں کو پردہ کی اہمیت بتائیں اوراس گھناونی بداخلاقی سے باز رکھنے کی تاکید کریں۔

عورتیں دعوت نظارہ نہ دیں

بے حیائی اور عریانیت کے میدان میں ہر اگلا دن پچھلے دن سے ترقی پر ہے، جن گھرانوں میں عورتیں گھر میں رہنے کو پسند کرتی تھیں آج وہ سڑکوں ، بازاروں اور محلّہ کی خاک چھاننے کو پسند کرنے لگی ہیں، جن شریف خاندانوں کی مہذب عورتیں مکمل اسلامی پردہ کو اپنا مذہبی اور اخلاقی فرض تصور کرتی تھیں آج وہ اس کو ایک غیر ضروری اور معیوب چیز سمجھنے لگی ہیں، جن گھرانوں کی پاکباز عورتیں زیب و زینت کو اپنے شوہروں تک محدود رکھتی تھیں، اب وہ ہر ایک کے سامنے بلاجھجک آنے اور گفتگو کرنے کی عادی ہوچکی ہیں۔ اور حد یہ ہے کہ جب وہ پوری طرح بن ٹھنکر اپنے محلّہ کی گلیوں، چوراہوں اور بازاروں پر سے گزرتی ہیں تو انہیں یہ احساس ہوتا ہے کہ ہر اجنبی کی آنکھان کی طرف لگی ہوئی ہے، اور ہر ایک ان کی پرلطف اداوں سے لطف اندوز ہورہا ہےمگراس کے باوجود ان کا مردہ ضمیر جاگتانہیں ہے بلکہ وہ دعوت نظارہ دیتے ہوئے بے حس بھینسوں کی طرح چلتی رہتی ہیں، حضور ﷺ نے ان آزاد خیال بے لگام عورتوں کی نشاندہی فرمائی:

قال رسول الله ﷺ نساء كاسيات عاريات مميلات ملائلات رؤسهن كاسنمة البخت المائلة لا يدخلن الجنة ولا يجدن ريحها ﴿مسلم عن ابی هريرة كتاب اللباس﴾

جو عورتیں کپڑے پہن کر بھی ننگی رہتی ہیں لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرتی ہیں اور مردوں کی طرف متوجہ رہتی ہیں ان کے سر بختی اونٹ کے ٹیڑھے کوہان کی طرح ہیں وہ نہ تو جنت میں جائیں گی اور نہ اس کی خوشبو پائیں گی۔

ایسے باریک اور چسپ لباس پہننا جس سے عورت کا جسم من وعن ظاہر ہو اور دیکھنے والوں کو بدن کی ساری جھلکیاں نظر آنے لگیں اور لوگ ان کے بازاروں سے گزرتے ہوئے لطف حاصل کریں تو کیا ان عورتوں کے شوہروں کی غیرت انہیں اس بات پر مجبور نہیں کرتی کہ وہ اپنی عورتوں کو اس فحاشی وعریانیت سے باز رکھیں۔

جس عورت کے حسن و جمال کی غائبانہ تعریف کرنا بھی فتنہ سے خالی نہیں ہے اس عورت کا برسر بازارا اپنے حسن و جمال کو ظاہر کرنا کیا فتنہ کا سامان نہیں ہے۔

جو لوگ محلّہ کے اندر فتنہ وفساد کی آگ کو بھڑکانا نہیں چاہتے بلکہ ہر طرح کا امن چاہتے ہیں تو انہیں چاہئے کہ کوئی جائز تدبیر کے ذریعہ ان عریاں ونیم عریاں عورتوں اور لڑکیوں کو بے تحاشا سیر وتفریح سے روکیں، اگر ہر گھر کا ہر مرد اپنی اپنی کفالت میں رہنے والی عورتوں کو اس سے روکنے کی کوشش کرے گا تو یقیناً ماحول میں سدھار پیدا ہوگا، عورتوں کو چاہئے کہ شدید ضرورت پر اپنے گھروں سے نکلتے ہوئے اسلامی طرز کا برقع استعمال کریں، نظریں نیچی رکھیں، کسی کی نگاہ میں نگاہ نہ ملاں، اگر کئی لڑکیاں ایک ساتھ جارہی ہوں تو ہنسی، مذاق، شور، تضحیک، تمسخر وغیرہ کرتے ہوئے نہ جائیں، سنجیدگی سے چلیں، ناز وادا سے نہ چلیں اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو عورت بن ٹھن کر دوسرے مردوں میں ناز ونخرے سے چل رہی ہے اس کی مثال قیامت کے دن تاریکی کی ہے جس کیلئے کوئی روشنی نہیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب مسلمانوں کو اسلامی تہذیب وتمدن سے آشنا ہونے اور اسی بے نظیر تہذیب پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے ...... آمین۔

تمت بالخیر